(طریق القرب)

(قرب الٰہی کے حصول کا طریقہ)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	تمہید	۷
۲	قرب خداوندی	۸
۳	جاہل صوفیاء کی غلطی	۸
۴	تشبیہ کی حقیقت وفائدہ	۹
۵	اشعار کی غلط تشریح	۱۰
۶	بعض لوگوں کے لیے بعض عبادات کا عدم جواز	۱۱
۷	مسلمان کا حال	۱۲
۸	فقہ وحدیث میں کوئی فرق نہیں	۱۳
۸	صوفیاء کے بعض اشعار کا حکم	۱۳
۹	شبہ کا جواب	۱۴
۱۰	بعض علوم کو پوشیدہ رکھنا ضروری ہے	۱۵
۱۱	اصطلاحات صوفیاء کے غلط معنی سمجھنا	۱۶
۱۲	اللہ کی پہچان	۱۷

۱۳	اسرار الٰہی کا احاطہ ممکن نہیں	۱۹
۱۴	مسئلہ تقدیر میں گفتگو کی ممانعت کی وجہ	۲۰
۱۵	تشبیہات کے ناکافی ہونے کی مثال	۲۱
۱۶	آج کل کا تصوف	۲۲
۱۷	حصول تصوف کا طریقہ	۲۲
۱۸	امام صاحب کا عمل	۲۳
۱۹	تعلیم دینے کا معیار	۲۳
۲۰	دعا کا قبول نہ ہونا اس کے مردود ہونے کی دلیل نہیں	۲۴
۲۱	قرب کے معنی	۲۵
۲۲	ایمان وعمل کا درجہ کمال	۲۶
۲۳	عمل وحال کی تعریف	۲۶
۲۴	حال کی ضرورت وفائدہ	۲۷
۲۵	حصول حال کا طریقہ	۲۸
۲۶	مدارِ دین	۲۸
۲۷	حضور ﷺ کی شان	۲۸
۲۸	اللہ کے نیک بندوں کا حال	۲۹

۲۹	کرامت بزرگ	۳۰
۳۰	شبہ کا جواب	۳۰
۳۱	قرب ورضا کا طریقہ	۳۱
۳۲	مجنوں کا حال	۳۲
۳۳	دنیادار مصیبت میں ہیں	۳۲
۳۴	عیش کی حقیقت	۳۳
۳۵	گناہگار قابل رحم ہے	۳۵
۳۶	گناہگاروں کے ساتھ برتاؤ	۳۶
۳۷	امر بالمعروف کا طریقہ	۳۷
۳۸	دنیادار قابل رحم ہیں	۳۷
۳۹	متکبر کو جواب	۳۸
۴۰	حاکم کون بنے	۳۹
۴۱	حاکم بنانے کی شرط	۴۰
۴۲	اکابر کا حکومتی عہدوں سے احتراز	۴۰
۴۳	حقیقی راحت کس کو حاصل ہے	۴۰
۴۴	علماء کا کام	۴۱

۴۵	عقائد کی خرابی	۴۱
۴۶	عملی کوتاہی	۴۲
۴۷	اخلاقی کوتاہی	۴۳
۴۸	حاصل تصوف	۴۳
۴۹	غلط فہمیوں کا ازالہ	۴۴
۵۰	صوفی کی پہچان	۴۵

وعظ

(طریق القرب)

(قرب الٰہی کے حصول کا طریقہ)

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے وعظ ''طریق القرب'' ۱۰ ذیقعدہ ۱۳۲۹ھ بروز جمعہ قصبہ قنوج کی جامع مسجد میں تشریف فرما ہوکر سوا دو گھنٹہ تک ارشاد فرمایا۔ حضرت کے بھانجے علامہ ظفر احمد عثمانی کے بڑے بھائی مولانا سعید احمد تھانوی نے قلم بند فرمایا۔ سامعین میں تقریباً پانچ سو افراد تھے اہل شہر کا مجمع زیادہ تھا اور اہل حدیث حضرات بھی شریک تھے وعظ میں قرب الٰہی کے حصول کا طریقہ بیان کیا گیا۔ سالکین کے لئے بہت مفید ہے۔

خلیل احمد تھانوی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریك لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ و بارك وسلم **اما بعد:**

فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

قال اللّٰہ تعالی: ﴿ وَمَآ اَمۡوَالُكُمۡ وَلَآ اَوۡلَادُكُمۡ بِالَّتِیۡ تُقَرِّبُكُمۡ عِنۡدَنَا زُلۡفٰۤی اِلَّا مَنۡ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۫ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمۡ جَزَآءُ الضِّعۡفِ بِمَا عَمِلُوۡا وَهُمۡ فِی الۡغُرُفٰتِ اٰمِنُوۡنَ ﴾(۱)

تمہید

یہ قرآن مجید کی ایک آیت ہے اس میں خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ایک بڑی دولت کا پتہ اور اس کے حصول کا طریقہ بتلایا ہے اور جو غلطیاں ان سے واقع ہوگئی ہیں ان پر تنبیہ فرمائی ہے۔ حاصل یہ ہے اس آیت کے ترجمہ سے، اس دولت کا پتہ چل جاوے گا۔

---

(۱) ''باری تعالیٰ فرماتے ہیں تمہارے مال اولاد مجھ سے قریب نہیں کرسکتے بلکہ قریب وہ ہے جو ایمان لایا اور اچھے کام کئے ان کے لئے کرنے کا دگنا بدلہ ہے وہ بہترین کمروں میں پناہ گزیں ہوں گے''۔

قرب خداوندی

مگر اوّل مجملاً اس کا پتہ بتلاتا ہوں کیونکہ بہت لوگ اس کو دولت سمجھتے ہیں اور اہل دنیا تو کیا سمجھتے اکثر اہل دین بھی اُس پر نظر کم کرتے ہیں اور وہ دولت قرب خداوندی ہے اور وہی اس آیت میں مذکور ہے اور اس قرب کی حقیقت عنقریب معلوم ہوگی۔ اس لئے کہ وہاں قرب جسمانی تو ہے نہیں کہ فاصلہ کم ہوجائے۔ کیوں کہ یہ خواص جسم سے ہے باقی جو چیزیں مادی نہیں ہیں اگرچہ حادث (۱) اور ممکن ہوں ان میں بھی یہ قرب متصوّر نہیں ہے تو جو ذات پاک امکان اور حدوث سے بھی منزہ ہے اس میں یہ قرب کیونکر متصوّر ہوسکتا ہے۔ (۲)

جاہل صوفیاء کی غلطی

اور یہاں سے ان عوام الناس کی غلطی معلوم ہوگئی ہوگی جو خواص کی صورت میں ہیں اور خواص سے علماء مراد نہیں کیونکہ وہ ایسی غلطیوں سے محفوظ ہیں بلکہ مشائخ اور صوفیہ مراد ہیں تو جو لوگ ان حضرات کی صورت بناتے ہیں اور حقیقت میں وہ عامی ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ قرب خداوندی بھی قرب جسمانی ہے اور اس کا پتہ اُن کی مثالوں سے چلتا ہے اور اگر محققین سے اس قسم کی کوئی مثال منقول ہو تو ہم اس میں تاویل کریں گے لیکن یہ عوام اس قسم کے اقوال میں تاویل بھی نہیں کرتے بلکہ اُن کے ظاہری متبادر معنی مراد لیتے ہیں اور اس قسم کے اقوال بولنے والے بعض تو وہ ہیں کہ خدا کو دریا اور اپنے کو موج کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں اور بعض لوگ قطرہ

---

(۱) ختم ہونے والی (۲) یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات جو ان صفات سے پاک ہے ان میں یہ تصور کیسے ہوسکتا ہے۔

اور دریا کی تشبیہ دیتے ہیں تو اگر تشبیہات کسی معتبر کلام میں پائے جائیں گے تو ہم اس کی تاویل کریں گے۔

تشبیہ کی حقیقت وفائدہ

کیونکہ محض تشبیہ پر انکار کرنا تو غلو ہے قرآن شریف میں خود تشبیہ موجود ہے ﴿اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ ط اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ ط اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ﴾ (۱)

اس میں تصریح ہے کہ نور خداوندی کی صفت ایسی ہے جیسے کہ ایک طاقچہ ہو کہ اس میں ایک چراغ ہو اور وہ چراغ ایک شیشہ میں ہو اور اس شیشہ کی یہ حالت ہو جیسے کہ ایک درخشاں ستارہ الیٰ آخر القول پس جب قرآن میں خود تصریح تشبیہ کی ہے تو اگر مطلق تشبیہ مذموم ہوتی تو قرآن میں یہ تشبیہ کیوں مذکور ہوتی۔ اور یہ اس واسطے میں نے ذکر کر دیا کہ آج کل بعض متشدد دین میں بہت غلو کرنے لگے ہیں کہ محض ظاہری الفاظ پر دیکھ کر معنی میں غور نہ کر کے، کفر وبدعت کے فتوے لگا دیتے ہیں حالانکہ ارشاد خداوندی ہے: ﴿لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ غَیْرَ الْحَقِّ﴾ کہ حق سے آگے نہ بڑھو کہ یہ غلو فی الدین ہے (۲) مثلاً جس چیز کی نظیر قرآن میں موجود ہو۔ اس کو علی الاطلاق (۳) حرام کہہ دیا جائے۔ ہاں وجہ شبہ متعین کرنی چاہیئے تو سمجھ لو کہ تشبیہ میں مشارکت ہوتی ہے (۴) دو چیزوں کی کسی خاص امر میں مثلاً کسی کے چہرہ کو چاند سا کہیں تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ جس میں یہ اور چاند شریک ہیں (۵)

(۱) ''اللہ تعالیٰ نور (ہدایت) دینے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا اُس کے نور (ہدایت) کی حالت عجیبہ ایسی ہے جیسے (فرض کرو) ایک طاق ہے (اور) اس میں ایک چراغ (رکھا ہے اور) وہ چراغ ایک قندیل میں ہے (اور) اس میں ایک چراغ (رکھا ہے اور) وہ چراغ ایک قندیل میں ہے وہ قندیل ایسا ہے (صاف شفاف) ہے جیسا ایک چمکدار ستارہ)'' (۲) دین میں زیادتی (۳) مطلقاً حرام کہہ دیا (۴) شرکت پائی جاتی ہے (۵) یعنی خوبصورتی۔

یہ مطلب نہیں ہوتا کہ چہرہ بھی اسی قدر بڑا جسم ہے جس قدر چاند یا چاند میں بھی آنکھ ناک کان خدوخال موجود ہیں یا جیسے چاند کے ہاتھ پیر نہیں اس شخص کے بھی نہیں۔

علی ہٰذا خدا تعالیٰ نے جو تشبیہ دی ہے تو مطلق نورانیت میں تشبیہ دی ہے کہ کمال نورانیت میں اس کے مشابہ ہے۔ اگرچہ یہ بھی ظاہر ہے کہ دونوں کمال ایک درجہ کے نہیں ہیں جس طرح کلی مشکک (۱) کے افراد مختلف ہوتے ہیں برابر نہیں ہوتے مگر کوئی امر مشترک (۲) اس میں ضرور ہوتا ہے مثلاً شدت ضیاء (۳) اور مشبہ بہ کا اکمل (۴) ہونا بھی ضروری نہیں البتہ اوضح یا اشہر ہونا ضروری ہے تو اسی طرح سے اگر کسی محقق کے کلام میں خدا کو دریا اور اپنے کو قطرہ کے ساتھ تشبیہ دی ہو تو وہ کسی خاص امر میں ہوگی جیسا کہ مغربی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے ؎

ز دریا موج گونا گون برآمد زبے رنگی بہ رنگ چوں بر آمد (۵)

اشعار کی غلط تشریح

افسوس ہے کہ آج یہ حالت ہے کہ جنہوں نے ایک پارہ قرآن بھی نہیں پڑھا وہ ان اشعار کو پڑھتے اور سنتے ہیں اور ان پر وجد کرتے ہیں حالانکہ خاک بھی نہیں سمجھتے اور اگر کچھ سمجھتے ہیں تو یہی کہ خدا پھیلا ہوا ہے اور ہم اس سے نکلے ہیں اور یہ سمجھ کر اپنا دین برباد کرتے ہیں ایسے اشعار کا ان لوگوں کے سامنے پڑھنا بھی جائز نہیں ہے۔

---

(۱) یہ علم منطق کی اصطلاح ہے یعنی جو مختلف افراد پر بولی جائے اور وہ افراد کسی ایک وصف میں آپس میں شریک ہوں (۲) کسی ایک صفت میں دونوں شریک ہوتے ہیں (۳) بہت زیادہ روشن ہونا (۴) جس سے تشبیہ دی گئی ہو اس کا زیادہ کامل ہونا بھی ضروری نہیں ہے (۵) ''دریا سے بڑی بڑی موجیں اُٹھتی ہیں جس طرح بے رنگ سے رنگ نکلتا ہے''۔

بعض لوگوں کے لئے بعض عبادات کا عدم جواز

اور اس عدم جواز (۱) کے حکم سے کوئی تعجب نہ کرے دیکھئے حکماء امت نے یہاں تک احتیاط کی ہے کہ بعض لوگوں کے لئے حج کو ناجائز کہہ دیا ہے۔

مثلاً ایک ایسا شخص کہ جس کے پاس زادراہ (۲) بھی نہ ہو بیوی بچوں کے دینے کو بھی کچھ نہ ہو اُس کے لئے سفر حج کو بالکل ناجائز کہا جاوے گا۔ اور یہ بھی کوئی تعجب کی بات نہیں دیکھو عین دوپہر کے وقت نماز پڑھنا نصاً (۳) ناجائز ہے حالانکہ نماز کتنی بڑی عبادت ہے علی ہذا (۴) عید کے روز روزہ رکھنا حرام ہے۔ بات یہ ہے کہ ہر عبادت میں کچھ قیود وجوب کے ہوتے ہیں اور کچھ شرائط جواز کے ہوتے ہیں تو حج میں استطاعت وجوب حج کی شرط ہے اور اہل وعیال کا حق ضائع نہ ہونا جواز حج کی شرط ہے۔

اس کو حضرت مسعود بک رحمۃ اللہ علیہ نے امام غزالی کے قول سے یہی سمجھا ہے اور واقعی حضرت کا کلام بدوں علمِ ظاہری کے سمجھنا نہایت دشوار ہے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ اس فرمانے کا ہر شخص مخاطب ہے مگر واقع میں مخاطب ایسے ہی لوگ ہیں سو فرماتے ہیں۔

اے قوم بحج رفتہ کجائید کجائید　　معشوق دریں جاست بیائید بیائید (۵)

یعنی تمہارے لئے محبوب اسی جگہ ہے کیونکہ مقصود رضائے حق ہے۔ تو اگر بحالت مذکورۂ بالا مکہ جاوے گا تو خلاف رضائے حق ہوگا اس لئے خدا نہ ملے گا اس واسطے کہ محض سفر مکہ سے خدا نہیں ملتا۔ مثلاً اگر کوئی نفل حج کر کے بیوی کا حق ضائع

(۱) ناجائز (۲) سفر خرچ (۳) شرعاً ممنوع ہے (۴) اسی طرح (۵) حج کو گئی ہوئی قوم کہاں ہو کہاں ہو۔ ارے یہاں آؤ یہاں آؤ معشوق اسی جگہ ہے"۔

کردے تو خدا تعالیٰ کب راضی ہوسکتے ہیں تو معلوم ہوا کہ بعض صورتوں میں حج کرنا بھی ناجائز ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ایسے شخص کے سامنے کعبہ کے حالات بیان کرنا جس سے وہ مغلوب الشوق (۱) ہوکر سفر میں چلا جاوے جائز نہیں دیکھو ظاہر نظر میں یہ بات سمجھ میں بھی نہیں آتی لیکن واقع میں بالکل صحیح فرمایا ہے اس واسطے کہ حالات سن کر سفر کا شوق پیدا ہوگا اور بوجہ عدم استطاعت کے یہ سفر معصیت (۲) ہوگا تو اس کا جو سبب ہے وہ بھی معصیت ہوگا واقعی اوّل اوّل (۳) جس نے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول سنا ہوگا اس نے امام کو کافر کہا ہوگا حالانکہ امام بالکل ٹھیک لکھ رہے ہیں کہ جب سفر معصیت ہے اور تذکرہ اس کا سبب ہے تو تذکرہ بھی معصیت ہوگا۔ غرض کیسی ہی عبادت ہو وہ کسی نہ کسی وقت ناجائز ہوجاتی ہے۔ ایک اور مثال یاد آئی نیک کام میں چندہ دینا عبادت ہے لیکن بعض اوقات یہ بھی جائز نہیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا چندہ لینے سے اس لئے انکار فرمادیا کہ وہ اس واقعہ سے پہلے خود سوال کرچکا تھا تو اس چندہ دینے کا مآل (۴) یہ ہوتا کہ جب اپنے پاس کچھ نہ رہتا تو پھر سوال کرتا۔

مسلمان کا حال

خوب سمجھ لو! بس شریعت جو کچھ حکم کرے وہ کرو جہاں شریعت پڑھنے کی اجازت دے، پڑھو۔ جہاں روک دے رک جاؤ۔ بالکل مسلمان کی وہ حالت ہونی چاہیئے کہ جیسے ایک شخص نے ایک غلام خریدا اور اس سے پوچھا کہ تم کیا کھایا کرتے ہو کہنے لگا جو کچھ آپ کھلا دیں گے وہی میری غذا ہے اور بزبان حال یہ کہے ؎

(۱) اس پر شوق کا غلبہ ہوجائے اور وہ سفر حج کو چلا جائے (۲) گناہ (۳) پہلے پہل (۴) انجام۔

زندہ کنی عطائے تو وربہ کشی فدائے تو
جان شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو(۱)

جب غلام کی شان آقا کے سامنے یہ ہے تو کیا خدا تعالیٰ کے سامنے بندہ کی یہ شان بھی نہ ہو غرض حضور ﷺ کے دست مبارک کے سامنے ایسا ہو جائے جیسے مردہ بدست زندہ (۲)۔

فقہ وحدیث میں کوئی فرق نہیں

اور آپ کے احکام جیسے کبھی منصوص (۳) ہوتے ہیں اسی طرح کبھی غیر منصوص اور مستنبط (۴) بھی ہوتے ہیں اور یہ سب حضور ﷺ ہی کے احکام ہیں اور فقہ اور حدیث میں یہی فرق ہے کہ حقیقت ایک ہے لباس جدا جدا ہے۔ جیسے کسی نے کہا ہے ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش من انداز قدت رامے شناسم (۵)

عاشق کی یہ شان ہوتی ہے کہ محبوب جس جوڑہ میں بھی آوے وہ پہچان لیتا ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو وہ عاشق نہیں۔ تو جو حضور ﷺ کے عاشق ہیں ان کو حدیث فقہ سب میں حضور ﷺ ہی کے ارشادات نظر آتے ہیں۔

صوفیاء کے بعض اشعار کا حکم

بہر حال شریعت کے احکام یہ ہیں اور یہ واجب العمل اور متبوع ہیں (۶)

(۱) ''اگر مجھے زندہ رکھیں تو آپ کی عطاء ہے اور اگر مار ڈالیں تو میں آپ پر قربان ہوں۔ بہر حال روح کو آپ سے تعلق ہے آپ جو چاہیں کر سکتے ہیں'' (۲) جیسے مردہ زندہ کے ہاتھ میں ہوتا ہے (۳) قرآن وحدیث میں واضح طور پر مذکور ہوتے ہیں (۴) قرآن وحدیث سے اخذ کئے جاتے ہیں (۵) ''آپ جس رنگ اور لباس میں رہیئے مجھے تو آپ کے قد کا اندازہ ہے خوب جانتا ہوں'' (۶) قابل اتباع۔

تو جب حج کو جانا بعض کو ناجائز ہے تو یہاں سے قیاس کر کے دیکھ لو کہ جب بعض وقت عبادت ناجائز ہوجاتی ہے تو ایسے اشعار گو وہ صحیح ہوں ذکر کرنا ان لوگوں کے سامنے جبکہ ان میں کوئی مفسدہ ہو اگر ناجائز ہوجائے تو عجب کیا ہے۔ اسی لئے حدیث میں ہے ((کَلِّمُوا النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِهِم)) ''کلام کرو لوگوں سے ان کی عقل کے مطابق'' ایک حدیث میں ہے کہ جب کسی کے سامنے اس کی عقل سے بڑھ کر کلام کیا گیا تو وہ اس کے لئے فتنہ ہوگا تو اب جو ایسے اشعار عوام کے سامنے پڑھے جاتے ہیں کہ اُن کے سمجھنے میں نہیں آتے اگرچہ وہ حافظ، اور مغربی ہی کے ہوں تو یہ عوام کے لئے فتنہ ہونگے یا نہیں۔ ان حضرات کے کلام کے صحیح ہونے میں کلام نہیں جو کچھ انہوں نے کہا صحیح ہے لیکن اس کے سمجھنے کے لئے فہم صحیح اور طبیعت سلیم درکار ہے تو مولانا ایسے ہی نازک مضامین کی نسبت فرماتے ہیں ؎

نکتہا چوں تیغ پولا دست تیز گرنداری تو سپر واپس گریز(۱)

آگے فرماتے ہیں:

پیشِ ایں الماس بے سپر میا کز بریدن تیغ رانبود حیا (۲)

اور اسی واسطے ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے ((یحرم النظر فی کتبنا)) ''ہماری کتابوں میں نظر کرنا حرام ہے''

شبہ کا جواب

رہا یہ شبہ کہ جب کتاب کے دیکھنے کی اجازت نہیں تو پھر لکھا تھا کیوں

(۱) ''کہ بہت سے نکتے تلوار کی طرح تیز ہیں اور سپر سے مراد فہم یعنی اگر فہم نہ ہو تو دور رہو'' (۲) ''کہ اس کے سامنے بدوں سپر نہ آؤ کیونکہ ایمان اگر اس کے سامنے پڑے گا یہ اس کو قطع کر دے گا''۔

یہ شبہ اکثر بڑے لوگوں کو بھی ہوجاتا ہے تو وجہ یہ ہے کہ وہ حالات جوان پر طاری ہوئے دوسرے لوگوں پر بھی طاری ہوسکتے ہیں تو انہوں نے اپنے سے پچھلے لوگوں کے لئے جن پر وہ حالات طاری ہوں اپنے قول و احوال کو مدون کیا ہے(۱) تاکہ پچھلوں کے پاس معیار رہے ورنہ یہ نہیں معلوم ہوسکتا کہ ہماری طاعت مقبول ہے یا مردود(۲) اور جب پہلوں کے حالات مدون ہیں تو نہایت آسان ہے کہ اس پر منطبق کرکے دیکھ لو اگر مطابق ہو تو صحیح ورنہ باطل۔ تو خلاصہ یہ ہوا کہ انہوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ اپنے جیسوں کے لئے لکھا ہے نہ عوام الناس کے لئے، اسی لئے اُس کو دیکھنے سے منع کردیا بلکہ وہ اخفاء(۳) کا اس قدر اہتمام کرتے ہیں کہ ان کے سامنے ان مضامین کا اگر کوئی انکار بھی کرتا ہے تب بھی ان کو جوش نہیں آتا اور وہ بیان نہیں کرتے بلکہ یوں کہتے ہیں ؎

با مدعی مگوئید اسرار عشق و مستی بگذار تابمیرد در رنج خود پرستی (۴)

رسول کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے علوم کا اعلان کرے اور ولی کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے علوم کا اخفاء کرے اس لئے ان کو کبھی ہیجان بھی نہیں ہوتا۔ البتہ اپنے خواص سے بیان کرتے ہیں تو کوئی کلام غیر اہل کے سامنے بیان نہ کرو۔

بعض علوم کا پوشیدہ رکھنا ضروری ہے

تصوف کے اجزاء بہت سے ہیں منجملہ ان کے احوال بھی ہیں اُن کو کسی سے بیان نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ وہ اپنے خاص معاملات ہیں خدا تعالیٰ کے ساتھ، اُن کے ظاہر کرنے سے اپنا باطنی نقصان ہوتا ہے۔

(۱) اپنے حالات اور اقوال کو تحریر کردیا (۲) ہماری عبادت قبول ہوئی یا نہیں (۳) چھپانے کا (۴) ''مدعی سے عشق و مستی کے راز نہ بتائے بلکہ چھوڑ دیجئے کہ وہ خود پرستی کے رنج میں جاتا ہے''۔

نیز ایک جز اس میں علم مکاشفہ (۱) اور اسرار بھی ہیں ان کو بھی کسی کے سامنے ظاہر نہ کرنا چاہیئے کیونکہ وہ اکثر لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتے اور بہت سی غلط فہمیاں سننے والے کو ہوجاتی ہیں جن سے اُس کا بہت نقصان ہوجاتا ہے اور عوام کے نہ سمجھنے کی ایک مثال بیان کرتا ہوں۔

دیکھو اگر کسی شخص نے کبھی آنبہ نہ دیکھا ہو اور اس کے سامنے آنبہ کی کیفیت بیان کی جاوے تو کیسی ہی جامع مانع حقیقت بیان کرو لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آسکتی۔ اس لئے کسی نے کہا ہے:

پُرسید یکے کہ عاشقی چیست گفتم کہ چو ماشوے بدانے (۲)

اور وجہ اس کی یہ ہے کہ امور وجدانیہ وجدان ہی سے سمجھ میں آتی ہیں اور وجدان محض سننے سے پیدا نہیں ہوتا۔ اسی واسطے محققین اجانب پر کبھی ظاہر نہیں کرتے اب بے احتیاطی ہوگئی ہے کہ عام مجالس میں اس قسم کی غزلیں پڑھی جاتی ہیں اور کوئی نہیں سمجھتا۔

اصطلاحات صوفیاء کے غلط معنی سمجھنا

میں ایسے لوگوں سے بہت ملا ہوں کہ ان الفاظ کے معنی غلط سمجھتے ہیں۔ ایک ایسا ہی شخص مجھ سے ملا اور پوچھا کہ تصور شیخ جائز ہے یا نہیں۔ میں جائز کہنے کو تھا بشرائط (۳) مگر میرے ذہن میں آیا کہ شاید یہ تصور شیخ کے معنی غلط سمجھ رہا ہو اس لئے میں نے اس سے پوچھا کہ تصور شیخ کے کیا معنی ہیں؟ کہنے لگا خدا کو بشکل شیخ سمجھنا۔

(۱) حالات کا معلوم ہوجانا اور عبادات واحکام کی علتوں وحکمتوں کا علم (۲) ''ایک عاشق سے کسی نے پوچھا عاشقی کیا ہے اُس نے کہا جب مجھ جیسے ہوجاؤ گے تو معلوم ہوجائے گا'' (۳) کچھ شرطوں کے ساتھ جائز کہنے والا تھا۔

انا للّٰہ حالانکہ قرآن شریف میں تصریح ہے کہ ﴿لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ﴾ ''اس جیسی کوئی چیز نہیں'' اور یہ جو بعض آیات میں ﴿یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ﴾ ''اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے'' وغیرہ آیا ہے وہاں ید وغیرہ سے مراد یہ نہیں کہ ہم جیسے ہاتھ پیر ہیں بلکہ جو اس کے مناسب ہوں ہم اس کی حقیقت دریافت نہیں کر سکتے۔

ہماری مثال عدم احاطہ حقیقت میں ایسی ہے جیسے کہ ایک پانی کا کیڑا انسان کی مصنوعات ریل اور تار وغیرہ کو دیکھے اور ان کی نا تمام حقیقت دریافت کر کے اندازہ کرے کہ جس نے یہ بنایا ہوگا وہ اس قسم کا ہوگا کیا کوئی عاقل کہہ سکتا ہے کہ ہمارے ہاتھ پاؤں کی حقیقت کو دریافت کر سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ اس مثال سے بھی بالاتر ہیں لیکن تقریب فہم کے لئے اس مثال کے ضمن میں اُس کو ظاہر کیا گیا ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

اے برتر از خیال وقیاس وگمان وہم　　وز ہر چہ گفتہ اند وشنیدیم وخواندہ ایم
دفتر تمام گشت وبپایاں رسید عمر　　ما ہمچناں در اوّل وصف تو ماندہ ایم(۱)

اللہ کی پہچان

غرض خدا تعالیٰ کو کیا کوئی پہچان سکتا ہے۔ حضور ﷺ جو کہ ((اَعْلَمُکُمْ بِاللّٰہِ))(۲)۔ جیسا کہ خود ارشاد فرمایا ہے: ((اِنِّیْ اَعْلَمُکُمْ بِاللّٰہِ)) آپ بھی اس سے اپنا عجز ظاہر فرماتے ہیں: ((لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ)) ''اللہ کی حمد سے ہماری زبان قاصر ہے'' یہاں تو منتہائے ثناء یہ ہے کہ

خاموشی از ثنائے تو حدِ ثنائے تست　　''خاموشی ہی تیری حد درجہ کی حمد ہے''

(۱) ''ہمارے خیال قیاس گمان وہم سے بلند ہے اور ہر چیز سے جسے ہم بولتے سنتے پڑھتے ہیں۔ ہم نے تمام دفتر پوری عمر میں چھان مارا لیکن جس طرح ہم پہلے وصف اول میں تھے وہیں اب بھی ہیں'' (۲) میں تم سب سے زیادہ اللہ کو جانتا ہوں۔

اور یہی خاموشی حاصل ہے حدیث مذکور کا۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ اس عجز کو عجیب عنوان سے فرماتے ہیں۔

خدا در انتظار حمد ما نیست محمد چشم بر راہ ثنا نیست
خدا مدح آفریں مصطفٰے بس محمد حامد حمد خدا بس(۱)

خدا کی طرف سے حضور ﷺ کی تعریف اور حضور ﷺ کی طرف سے خدا کی تعریف کافی ہے۔ آگے فرماتے ہیں ؎

مناجاتے اگر خواہی بیان کرد بہ بیتے ہم قناعت میتواں کرد
محمد از تومے خواہم خدا را الٰہی از توحبّ مصطفٰے را (۲)

حقیقت میں بے مثل مضمون ہے۔ باقی کوئی یہ نہ کہے کہ حضور ﷺ تو فرماتے ہیں: ((لَا اُحْصِیْ ثَنَاء عَلَیْكَ)) ''یعنی آپ کی ثناء شمار ہی نہیں کرسکتا'' اور مرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا ثنا کرنا کافی ہے۔ بات یہ ہے کہ یہ کفایت ہمارے اعتبار سے ہے ورنہ خدا تعالیٰ کو کماحقہٗ کوئی نہیں پہچان سکتا ؎

دور بیناں بارگاہ الست جز ازیں پے ہزدہ اند کہ ہست

یعنی اتنا معلوم ہوا کہ موجود ہے باقی یہ کہ کیا ہے اور کیسا ہے اس کے لئے بس یہ سمجھئے کہ ؎

---

(۱) ''نہ خدا کو ہماری حمد کا انتظار ہے اور نہ آنحضور ﷺ ہماری ثناء کے لئے چشم براہ ہیں بلکہ خدا تعالیٰ آنحضور ﷺ کے لئے مسرور آنحضور ﷺ بطور حامد کافی ہیں'' (۲) اگر چاہو تو تمنائیں بیان کی جاسکتی ہیں اور صرف ایک شعر پر قناعت ہوسکتی ہے آپ (حضور ﷺ) سے خدا کو چاہتا ہوں اور خداوند آپ سے آنحضور ﷺ کے عشق کا طلب گار ہے''۔

اندریں رہ آنچہ مے آید بدست　　حیرت اندر حیرت اندر حیرت است (۱)

شیخ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ؎

چہ شبہا نشستم دریں سیرگم　　کہ حیرت گرفت آستینم کہ قم
محیط ست علم ملک بربسیط　　قیاس تو بروے نگردد محیط
دریں ورطہ کشتی فروشد ہزار　　کہ پیدا نشد تختۂ برکنار(۲)

اسرار الٰہی کا احاطہ ممکن نہیں

کون احاطہ کرسکتا ہے خدا تعالیٰ کے کمالات کا، ہاں ہم ایمان لاتے ہیں کہ ہم اس سے آگے رائے سے کلام نہیں کرسکتے۔ دیکھو افعال تک کا تو پتہ لگ ہی نہیں سکتا تو صفات کا کیا پتہ لگ سکتا ہے۔ یہاں تو اقرار عجز کی بالکل وہ حالت ہونا چاہیئے کہ جیسے ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا تھا کہ شب معراج میں کیا کیا گفتگو خدا تعالیٰ سے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی تھی انہوں نے جواب میں فرمایا کہ ؎

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد زباغبان　　بلبل چہ گفت وگل چہ شنید وصبا چہ کرد(۳)

حقیقت میں کس کی مجال ہے اور جو کچھ کہہ دیتے ہیں وہ اوچھے ہیں کہ اوچھلتے ہیں ورنہ اہلِ کمال کا یہی مشرب ہے جو میں نے بیان کیا۔ اسی طرح اسرار خداوندی کا بھی جو متعلق اکوان کے (۴) ہیں احاطہ نہیں ہوسکتا۔ ان کی نسبت عارف شیرازی کہتے ہیں ؎

---

(۱) ''ہمیں اس راستہ میں جو کچھ نظر آتا ہے وہ حیرت ہی حیرت ہے'' (۲) کتنی راتیں میں اس منزل میں اسیر رہا ہوں کہ بالآخر حیرت نے میری دستگیری کی ہے تمام دنیا پر ایک بادشاہی کا علم محیط ہے۔ تمہارا قیاس اس کا احاطہ نہیں کرسکتا اس طوفان میں ہزاروں کشتیاں اس طرح ڈوبیں کہ کنارے پر ایک تختہ تک باقی نہیں'' (۳) ''اب کس میں یہ مجال ہے کہ باغبان سے پوچھے کہ بلبل نے کیا کہا تھا گل نے کیا سنا تھا اور ہوا کیا کرگئی'' (۴) تکوینی امور۔

حدیث مطرب ومی گو دراز دہر کمترجو
کہ کس نہ کشود ونکشاید بحکمت ایں معمّہ را (۱)

جب راز دہر کے پیچھے پڑنے سے منع کرتے ہیں تو راز حق کی تو کیا انتہا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کس قدر شفیق تھے کہ جس چیز کو بے سود دیکھا اور فلاح دین و دُنیا میں اُس کی حاجت نہ دیکھی اس میں گفتگو کرنے سے منع کر دیا اور ایسے دقائق وغوامض (۲) پر چونکہ نجات موقوف نہیں اس لئے اس کی حاجت نہیں۔ پس ان میں کلام کرنا پسند نہیں کیا گیا۔ اضاعۃ عمر ہے اور احتمال ضرر (۳)۔

مسئلہ تقدیر میں گفتگو کی ممانعت کی وجہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک مرتبہ مسئلہ قدر میں کچھ گفتگو فرما رہے تھے کہ حضور ﷺ تشریف لے آئے اور سنا فرمایا کہ تم لوگ کیا گفتگو کر رہے تھے۔ معلوم ہوا تو عتاب فرمایا کہ تم اس میں گفتگو کرتے ہو کیا میں اس لئے معبوث ہوا ہوں (۴) اور فرمایا کہ جو اس میں گفتگو کرے گا اس سے باز پرس ہوگی یعنی پوچھ ہوگی کیوں اس میں گفتگو کی۔ اور ایک لطیف معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ سوال ہوگا کہ ذرا ہم بھی سنیں تم نے اس بارہ میں کیا تحقیق کی ہے اس سے وہ شخص دم بخود رہ جاویگا اور عجز کی وجہ سے کچھ جواب نہ دے سکے گا۔ تو حضور ﷺ نے اس حدیث میں اس قسم کے علوم میں گفتگو کرنے سے ممانعت کی طرف اشارہ کر دیا کیونکہ یہ علم وہبی ہے (۵) دلائل سے کبھی حل نہیں ہو سکتا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ان امور کے اظہار کی حاجت تو ہے

(۱) ”شراب وساقی کی بات کرو اور گردش زمانہ کی گفتگو چھوڑو کہ اس معمہ کو نہ کوئی حل کر سکا ہے نہ کر سکے گا“ (۲) ایسی باریک اور گہری باتوں پر (۳) عمر کا ضیاع ہے اور نقصان کا اندیشہ (۴) بھیجا گیا ہوں (۵) یہ علم اللہ کی عطاء ہے دلائل سے معلوم نہیں ہوگا۔

نہیں جیسا اوپر بیان ہوا اور الفاظ وضع ہوئے ہیں حاجت کی چیزوں پر دلالت کرنے کے لئے سو ان مفہومات کے لئے الفاظ موضوع (۱) نہیں ہیں۔ تو اگر ان مضامین کو الفاظ سے تعبیر کیا جاوے گا تو وہ تشبیہات ہونگی اور وہ بالکل ناکافی ہیں۔

تشبیہات کے ناکافی ہونے کی مثال

تشبیہات کے ناکافی ہونے کی مثال کے لئے ایک قصہ عرض کرتا ہوں۔ مشہور ہے کہ ایک اندھے مادر زاد کی دعوت اس کے کسی شاگرد نے کی، حافظ جی نے پوچھا کہ کیا پکاؤ گے شاگرد نے کہا کہ کھیر پکاؤں گا کہنے لگا کھیر کیسی ہوتی ہے شاگرد نے کہا کہ سفید کہنے لگے کہ سفید کس کو کہتے ہیں اس نے کہا جیسے بگلا حافظ جی نے کہا کہ بگلا کیسا ہوتا ہے شاگرد نے ہاتھ سے اس کی ہیئت بنائی حافظ جی نے اُس کو ٹٹول کر دیکھا اور کہنے لگے کہ بھائی یہ کھیر تو بہت ٹیڑھی ہے حلق میں کیسے اترے گی۔ اب غور کیجئے کہ کھیر جو اتنی ٹیڑھی ہوگئی اس کا کیا سبب ہوا یہی کہ اس کو تشبیہات میں بیان کیا گیا۔ تو اس اندھے مادر زاد کو اگر ساری دنیا بھی سمجھا دینے کی کوشش کرتی تو اس کی سمجھ میں نہیں آسکتا تھا۔ ہاں سمجھانے کی یہ صورت ہے کہ ایک انگلی لے کر اس کے منہ میں دے دی جاوے کہ وہ ہونٹ چاٹتا رہے۔ اور لیجئے اگر کسی نابالغ بچے کو لذت مجامعت سمجھانا چاہیں تو عمر ختم ہوجائے لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آسکتی۔ البتہ جب وہ بالغ ہوجاویگا تو خود بخود بغیر سمجھائے سمجھ میں آجاوے گی۔

اسی طرح کملاء کے سامنے نااہل لوگ مثل اطفال نابالغ کے ہیں بڑے بڑے حکماء ارسطو افلاطون ان کے سامنے ایسے ہیں جیسے بچے تو ایسوں کے سامنے یہ مضامین بیان کرنا بچے کے سامنے لذت مجامعت کو بیان کرنا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

(۱) اس مفہوم کی ادائیگی کے لئے الفاظ ہی نہیں ہیں۔

خلق اطفالند جزمرد خدا نیست بالغ جز رہیدہ از ہوا

جو شخص نفسانی خواہشات سے چھوٹ گیا وہی بالغ ہے باقی اس کے مقابلہ میں سب نابالغ ہیں تو ان کے سامنے جو کچھ بیان کیا جاوے گا وہ تشبیہات میں بیان کیا جاویگا اور تشبیہات میں غلطیاں واقع ہوں گی لہذا اسرار وجدانیہ کسی کے سامنے بیان نہ کرنے چاہئیں۔

آج کل کا تصوف

آج کل افسوس ہے کہ لوگوں نے اسی جمع عبارات کا نام تصوف رکھ لیا ہے۔ اور اکثر اسی قسم کے اسرار کہنے والے خود بھی رسمی لوگ ہوتے ہیں اسی کو کہتے ہیں ؎

حرف درویشاں بدزدد مردِ دوں تا بہ بیش جاہلاں خواہد فزوں(۱)

کہ چند الفاظ سنے سنائے یاد کر لئے اور انہیں کو مختلف مجالس میں گاتے پھرے اور اگر کوئی آگے پوچھ بیٹھے تو خاک بھی نہیں۔

حصولِ تصوف کا طریقہ

صاحبو! محض ملفوظات کے یاد کر لینے کا نام تصوف نہیں ہے ایک بزرگ کہتے ہیں کہ ملفوظات یاد کرنے کی کوشش نہ کرو بلکہ اس کی سعی کرو کہ تم بھی ایسے ہوجاؤ کہ تمہاری زبان سے وہی باتیں نکلنے لگیں جو ان کے منہ سے نکلیں اور وہ حالت بنالو کہ ؎

بینی اندر خود علوم انبیاء بے کتاب بے معید واوستا(۲)

(۱) ''درویشوں کی باتیں کمتر لوگوں نے چرالیں تاکہ جاہلوں کے سامنے اپنا مرتبہ بلند کریں'' (۲) ''علوم انبیاء علیہم السلام میں خود کو بغیر کسی کتاب بغیر کسی استاذ اور بغیر کسی مذکر کے دیکھو تو بات ہے''۔

اور اگر یہ نہ ہو تو محض دعوے و تصنع سے کیا ہوتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ ؎

کہ گہے آہے دروغے میزنی — از برائے مسکہ دوغے میزنی
خلق را گیرم کہ بفریبے تمام — در غلط انداز تاہر خاص و عام
کارہا با خلق آرے جملہ راست — باخدا تزویر وحیلہ کے رواست
کاربا او راست باید داشتن — رایت اخلاص وصدق افراشتن(۱)

امام صاحب کا عمل

امام صاحب کا واقعہ ہے کہ آپ چلے جارہے تھے ایک شخص نے کہا کہ یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں یہ پانچ سو رکعتیں روزانہ پڑھتے ہیں آپ اس کو سن کر رونے لگے اور اُسی روز سے اتنا ہی عمل شروع کردیا۔ کیونکہ جانتے تھے کہ مخلوق تو دھوکہ میں آسکتی ہے لیکن خالق کے ساتھ کوئی دھوکہ نہیں چل سکتا۔

تعلیم دینے کا معیار

آج یہ حالت ہے کہ لوگ اپنی نسبت تقوے و طہارت کے لئے مشہور ہونے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کے لئے تدابیر کی جاتی ہیں۔ ایک شخص کلکتہ میں گیا اور اُس نے یہ تدبیر کی کہ اپنے چند گرگے (۲) اس غرض کے لئے چھوڑ دیئے کہ اُس کو مشہور کریں۔ بہرحال علم میں خواہ حال وقال (۳) مگر کرنا سخت غلطی ہے۔ غرض جو حال یا سر ہے بدوں حصول سمجھ (۴) میں نہیں آتا اور جو سمجھ میں نہ آوے اس کے

(۱) ''کبھی کبھی محض فریب سے آہیں کھینچتے ہو مکہن کے لئے چھاچھ بلوتے ہو مجھے مخلوق پر رحم آتا ہے۔ تم نے فریب تمام سے ہر خاص و عام کو مبتلائے غلطی کردیا ہے مخلوق کے ساتھ ہر قسم کے کام روا ہیں لیکن خدا کے ساتھ فریب کاری کہاں روا ہے ان کے ساتھ معاملہ درست رہنا چاہیئے صدق و اخلاص کے پرچم کو بلند رکھنا چاہیئے'' (۲) نمائندے (۳) حالات ہوں یا اقوال (۴) اسرار و احوال کا بغیر حاصل ہوئے سمجھنا مشکل ہے۔

پیچھے نہ پڑنا چاہیئے نہ دوسرے کو بتلانا چاہیئے۔ تعلیم اسی چیز کی دینی چاہیئے کہ جس کی ضرورت ہے ورنہ محض مجلس گرم کرنے کے لئے بے ضرورت باتیں یا محتمل الضرر (۱) مسائل کو ہرگز بیان نہ کرنا چاہیئے اور حضور ﷺ کے قدر کے بارے میں گفتگو کرنے کی ممانعت سے سبق لینا چاہیئے۔ دیکھو بچے کے سامنے کتنے ہی نفیس کھانے ہوں لیکن جب کافی مقدار پیٹ میں پہنچ جاتی ہے تو شفیق ماں کھانے سے روک دیتی ہے بچہ ضد کرتا ہے لیکن اس کی پروانہیں کرتی اس کی نظر مصلحت اور فائدہ پر ہوتی ہے۔ اسی طرح ہم کو چاہیئے کہ جن امور کو ہمارے لئے غیر ضروری یا مضر (۲) قرار دیا ہے ان کے درپے ہم نہ ہوں اور اپنا یہ مذہب رکھیں ؎

بدرد و صاف ترا حکم نیست دم درکش کہ آنچہ ساقی ماریخت عین الطاف است (۳)

دعاء کا قبول نہ ہونا اس کے مردود ہونے کی دلیل نہیں

اور اسی کی نظیر ہے کہ اگر دعاء قبول نہ ہو تو تنگدل نہ ہو کیوں کہ کبھی کبھی دیر لگانے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ کو اپنے بندہ کا گریہ وزاری پسند (۴) ہوتا ہے۔ بزرگوں نے اس کی مثال لکھی ہے کہ جیسے کوئی حسین عورت کسی سے سوال کرے تو وہ ٹالتا ہے تاکہ اس کو مکرر سوال کی نوبت آوے اور اس کے ذریعہ سے اس سے خطاب کا موقع ملجاوے۔ اور دیکھئے آپ اپنے بچہ کے لئے کوئی چیز لاتے ہیں مگر اس کو دق (۵) کرکے دیتے ہیں۔ حتی کہ بچہ رونے لگتا ہے اور آپ کو اس کا رونا اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اب جن لوگوں کی دُعا قبول ہوجاتی ہے وہ بہت خوش

(۱) ایسے مسائل جن کے بیان کرنے سے نقصان کا اندیشہ ہو نہ بیان کرے (۲) نقصان دہ (۳) ''تجھٹ ہو کہ صاف شراب تمہیں مجال نہیں کہ بچالو ساقی نے جو کچھ دیا ہے وہ عین الطاف ہے'' (۴) رونا اور گڑگڑانا (۵) پریشان کرکے۔

ہوتے ہیں اور جن لوگوں کی دُعا قبول نہیں ہوتی وہ سخت نالاں (۱) رہتے ہیں۔
حالانکہ نہ قبولیت دعا مقبول ہونے کی علامت ہے نہ عدم مقبولیت مردود ہونے کی علامت ہے۔ خدا تعالیٰ انسان کی اسی حالت کی شکایت فرماتے ہیں: ﴿فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ۭ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ﴾ (۲) آگے فرماتے ہیں ﴿كَلَّا﴾ یعنی جب خدا تعالیٰ انسان کو فراغت دیتے ہیں تو کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے میرا بڑا اکرام کیا اور جب رزق تنگ کر دیتے ہیں تو کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے مجھے ذلیل کیا اور خدا تعالیٰ مجھے چاہتے نہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ ہرگز یعنی یہ بات نہیں ہے کہ رزق کی فراغت دلیل اکرام ہو اور عسرت دلیل اہانت ہو۔ تو اسی طرح اگر دعا بھی قبول نہ ہو تو وہ دلیل عدم قبولیت اور مردودیت کی نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے کہ جو مناسب سمجھتے ہیں وہ دیتے ہیں۔ تشریعاً بھی اور تکوینًا بھی (۳)۔

غرض جو علم نہ دیا اس کا نہ دینا ہی نعمت ہے جیسا حضور ﷺ نے قدر میں گفتگو کرنے سے ممانعت فرمادی۔ اور اسی حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ جو امور غامضہ (۴) ہیں ان کی حقیقت سمجھ میں نہیں آسکتی ان میں گفتگو نہ کرنی چاہئے۔

قرب کے معنی

یہ سلسلہ اس پر چلا تھا کہ قرب کے معنی یہ نہیں جو دریا و قطرہ میں سمجھا جاتا ہے اور ایسے الفاظ کو لغوی معنی پر محمول کرنا غلطی ہے۔ بلکہ مراد اس قرب سے جو اس آیت میں مذکور ہے رضا ہے یعنی خدا تعالیٰ کا راضی ہونا مراد ہے کیونکہ قرب کے مختلف درجے ہیں ایک تو قرب علمی ہے اور وہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ہر چیز کو حاصل ہے۔

(۱) رنجیدہ (۲) سورۃ الفجر: ۱۵۔۱۶ (۳) شرعاً و تخلیقاً (۴) گہرے۔

چنانچہ ارشاد ہے: ﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ﴾(۱) اور ارشاد ہے: ﴿ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾(۲) اور ایک قرب رضا کا ہے اور وہ بعض کو حاصل ہے اور اس آیت میں قرب رضا مراد ہے قرب علم مراد نہیں کیونکہ وہ مؤمن اور صالح کے ساتھ ساتھ خاص نہیں اور یہ قرب رضا بڑی دولت ہے مگر اس کو اہل دنیا تو کیا مقصود سمجھتے بہت سے اہل دین بھی پورے طور سے مقصود نہیں سمجھتے۔ پس اس آیت میں حق تعالیٰ نے اس کا طریق بیان فرمایا ہے: ﴿وَمَا اَمْوَالُكُمْ الآية﴾ یعنی مال اور اولاد جس کی تحصیل کے پیچھے لوگ پڑے ہیں یہ ذریعہ قرب نہیں ہوسکتے بلکہ ایمان اور عمل صالح اس کے ذرائع ہیں اور ظاہر ہے کہ ایمان وعمل صالح میں وہی درجہ مطلوب ہوگا جو کامل ہو کیونکہ ناقص پورا پسندیدہ نہ ہوگا اور وہ ذریعہ رضا کا کیسے بن سکتا ہے۔

ایمان وعمل کا درجہ کمال

اور اس کا کامل ہونا موقوف ہے تین چیزوں پر علم وعمل دائم حال، اور دین کے یہی شعبے ہیں۔ سو اگر علم نہیں تو احکام کی اطلاع ہی نہ ہوگی اور اگر عمل نہیں تو اس اطلاع کا نفع کیا ہوا۔ اور اگر علم نہیں تو اگرچہ بظاہر عمل کا ہونا کافی معلوم ہوتا ہے لیکن غور کرنے کے بعد یہ حالت بھی کچھ مفید نہیں کیونکہ اس میں خلوص اور بقاء کی امید نہیں۔ اور حال سے مراد ملکہ ہے۔

عمل وحال کی تعریف

اس کی ایسی مثال سمجھو کہ اگر کسی سے محبت ہوجاوے اور اسکو کھلاؤ پلاؤ ایک تو یہ حالت دوسرے یہ کہ اس کی محبت میں بے چینی ہونے لگے۔ پہلی حالت

(۱) سورۃ الواقعہ: ۸۵ (۲) سورۂ قٓ: ۱۶۔

عمل ہے دوسری حالت حال ہے اور پہلی حالت یعنی نرا عمل بلا حال پائیدار نہیں اور حال ہوجانے کے بعد پائدار ہوجاتا ہے۔

مثلاً ایک شخص نماز روزہ کرتا ہے لیکن صاحب حال نہ ہونے کی وجہ سے نفس پر جبر کرکے کھینچ تان کرتا ہے اگر ایک وقت چھوٹ بھی جاوے تو کچھ زیادہ قلق (۱) نہیں ہوتا اور ایک دوسرے کی یہ حالت ہے کہ اگر ایک وقت نماز بھی چھوٹ جاوے تو زندگی وبال معلوم ہونے لگتی ہے تو یہ دوسرا صاحب حال ہے اسی کو کہتے ہیں ۔

بردلِ سالک ہزاراں غم بود گر زباغ دل خلالے کم بود (۲)

حال کی ضرورت وفائدہ

اور اس کا پیدا کرنا گو واجب نہیں کیونکہ اگر تکلف نہ بھی کرتا رہا لیکن اخلاص ہو کہ عبادت سے کوئی دوسری غرض نہ ہو تو خدا تعالیٰ کے یہاں مقبول ہے کچھ کمی اس میں نہیں لیکن ہے خطرناک حالت کیونکہ جب قلب میں تقاضا نہیں تو خدا جانے کہاں گاڑی اٹک جاوے اور کہاں پہنچ کر عمل کا خاتمہ ہوجائے۔ اس لئے ضروری ہے کہ حال کو بھی پیدا کرلے اس کو کہا ہے

صنمارہِ قلندر سزدار بمن نمائی کہ درازو دور بینم رہ ورسم پارسائی (۳)

دراز دور کے معنی یہ ہی ہیں کہ عمل ہو اور حال نہ ہو تو رشتہ قطع ہوجائیگا لیکن بڑی دشواری اور مشکل سے قطع ہوگا۔ اور اسی معنی میں مولانا نے فرمایا ہے ''قال را بگذار مرد حال شو'' (قال کو چھوڑ و حال ہوجاؤ)

(۱) رنج نہیں ہوتا (۲) ''سالک کے دل پر ہزاروں غم باغ دل میں گنجائش کم تھی'' (۳) ''اے میرے محبوب قلندری کا راستہ میرے لیے مناسب ہے اگر مجھے دکھلا دو کیونکہ پارسائی کا راستہ دور ہے''۔

حصول حال کا طریقہ

آگے اس کا طریقہ بتلاتے ہیں کہ ''پیش مرد کامل پامال شو'' مرد کامل کے سامنے پامال ہوجاؤ۔ یعنی یہ حالت لکھنے پڑھنے سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ محض محبت سے حاصل ہوتی یہ کیونکہ یہ ملکہ ہے اور ملکہ صحبت سے ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص ''ارژنگ چین''(۱) لے کر خط کی مشق کرے تو کبھی وہ ملکہ پیدا نہیں ہوگا جو کہ مثلاً منشی شمس الدین کی خدمت اور صحبت سے پیدا ہوگا۔

مدارِ دین

اسی طرح حال باطنی کی بھی کیفیت ہے تو علم اور عمل اور حال ان تینوں چیزوں کی ضرورت ہوئی اگر ان میں سے ایک بھی نہیں تو کچھ بھی نہیں اور یہی دین ہے۔ اسی حال کی تعلیم اس آیت میں بھی ہے ﴿اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ﴾(۲) مطلب یہ ہے کہ اس طرف جلد توجہ کر ایسا نہ ہو کہ ایک زمانہ گذر جانے سے قلب میں قساوت پیدا ہوجاوے اور اس آیت سے معلوم ہوا کہ حال کی تاکید بھی کسی درجہ میں قرآن سے ثابت ہے۔ غرض ارادہ اور قصد تو ضروری ہے اور حال مصلحت ہے کہ اس سے تسہیل ہوجاتی ہے۔

حضور ﷺ کی شان

اور یہی وہ شان ہے جس کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں ((كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰن)) ''آپ کا اخلاق قرآن تھا'' جب کہ ایک شخص نے آپ سے پوچھا تھا کہ حضور ﷺ کے اخلاق کیا تھے تو آپ نے یہ جواب دیا کہ قرآن

(۱) خوش خطی کی کتاب لیکر اس کی مشق کرے (۲) آیت سورۃ الحدید:۱۶۔

آپ کا امر طبعی بن گیا تھا آپ کا جی اُسی چیز کو چاہتا تھا جس کو خدا چاہے جس شخص کی یہ حالت ہوگی وہ کبھی انشاء اللہ تعالیٰ راجع نہ ہوگا نہ واقف ہوگا(۱) بلکہ برابر ترقی کرتا چلا جاوے گا کیونکہ اول تو قلب میں ایک چیز محرک ہے دوسرے اس حالت کی برکت سے یہ محبّ ہونے کے ساتھ محبوب بھی ہوجاتا ہے۔

اللہ کے نیک بندوں کا حال

بلکہ بعض اوقات اس کی وہ حالت ہوتی ہے جس کو حضور ﷺ فرماتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے ((اَللّٰھُمَّ اَدِرِ الْحَقَّ مَعَہٗ دَارَ)) ''کہ یہ جس طرف ہوں حق بھی اسی طرف ہوجائے'' ظاہر تو یہ تھا کہ آپ یہ دُعا دیتے کہ ((ادرہ مع الحق))(۲)۔ لیکن آپ نے بجائے اس کے یہ فرمایا ((اَدِرِ الْحَقَّ مَعَہٗ))(۳) اور یہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت بڑی بات فرمائی اور بہت بڑی دُعا دی اور یہ بتلا دیا کہ ان کی محبوبیت ایسی ہوجاتی ہے کہ اگر ان سے معاملات یومیہ میں اجتہادی غلطی بھی ہو تو اسباب ایسے جمع ہوجاتے ہیں کہ وہ حق واقعی ہوجاتا ہے مثلاً اگر دو شخصوں میں لڑائی ہوجاوے اور ایک ایسا ہی محبوب حق اپنے حق اجتہاد سے ان میں سے کسی ایک کی طرف ہوجاوے جو کہ واقعی میں حق پر نہ ہو تو خدا تعالیٰ حق کو اسی کے ساتھ اس طرح کر دیتے ہیں کہ وہ شخص تائب ہو کر حق پر ہوجائے اور ان کو اس کی طرف رائے سے پھرنا نہ پڑے یا اگر خود انہیں سے کسی کے مقابلہ میں غلطی ہوجائے تو خدا تعالیٰ حق کو اُن کے ساتھ اس طرح کر دیتے ہیں کہ اُن کا مقابل جو ابھی تک مظلوم تھا انتقام لینے میں حد جائز سے آگے نکل جاوے۔ پس انتقام کی وجہ

(۱) نہ پلٹے گا نہ رکے گا (۲) علی حق کے ساتھ ہوجائیں (۳) حق علی کے ساتھ ہوجائے۔

سے اُن کا ظلم عفو(۱) ہوجاوے گا اور مقابل کے اعتداء (۲) کی وجہ سے اب یہ مظلوم ہوجاویں گے اور حق ان کے ساتھ ہوجاوے گا۔

الحمد للہ یہ بالکل نئی بات ہے اور اس تفصیل سے آج ہی ذہن میں آئی ہے اور اس کی ایک نظیر حدیث میں صاف آئی ہے فرماتے ہیں ((رب اشعث اغبر لا یؤبہ لہٗ مَدْفُوْعٌ بِالْاَبْوَابِ لَوْ اقسمَ عَلَی اللّٰہِ لا برّہ)) یعنی بہت سے ایسے پراگندہ موغبار آلودہ خستہ حال لوگ ہیں کہ کوئی ان کی پروا بھی نہیں کرتا مگر حالت ان کی یہ ہے اگر کسی امر کے متعلق قسم کھا بیٹھیں کہ یوں ہوگا تو خدا تعالیٰ اسی طرح کردیتے ہیں تو یہ مضمون بھی اسی کے قریب ہے کہ واقعہ ان کی قسم کے موافق بدل جاتا ہے۔

کرامت بزرگ

میں نے ایک سیاح سے سنا کہ کسی مقام پر انہوں نے ایسی چیز دیکھی کہ اُس کا ایک حصہ پتھر ہے ایک لکڑی ایک کنکر ایک غیر معلوم الجنس اور لوگوں نے اس کا قصہ یہ بیان کیا کہ اندھیرے میں کسی بزرگ کی ٹھوکر لگی تھی انہوں نے فرمایا یہ کیا ہے پتھر ہے یا لکڑی یا کنکر یا کچھ اور اس میں ان سب چیزوں کا تھوڑا تھوڑا جزو پیدا ہوگیا یعنی کچھ حصہ لکڑی کا ہوگیا کچھ پتھر کا کچھ کنکر کا اور کچھ غیر معلوم الجنس۔(۳)

شبہ کا جواب

مگر اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اللہ میاں ان کے کہنے میں ہیں ہرگز نہیں بلکہ یہ حضرات خود حق تعالیٰ کے کہنے میں ہیں اور یہ اسی کی برکت ہے۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ کبھی کبھی ان کے کہنے کے خلاف بھی کردیتے ہیں۔ اور کسی کا تو کیا

(۱) ان کا ظلم معاف ہوجائے گا (۲) مدمقابل کی زیادتی کی وجہ سے (۳) ایسی چیز جس کی جنس معلوم نہیں۔

منہ ہے خود حضور ﷺ نے تین دعائیں فرمائیں ان میں سے دو قبول ہوئی اور ایک نامنظور ہوئی سو اس سے سمجھ لیجئے کہ جب حضور ﷺ کی دو دعائیں منظور اور ایک نامنظور ہوئی تو اور کون ہوگا جس کا سب کہنا ہو جاوے۔ اور میں اس مضمون کو کہتا بھی نہیں مگر جب حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تو مجھے چھپانے کی کیا ضرورت ہے۔ غرض آپ فرماتے ہیں ((اَللّٰھُمَّ ادر الحَقَّ مَعَہٗ حَیْثُ دَارَ)) اور یہ کبھی کبھی ہوتا ہے اور غالب تو یہ ہوتا ہے کہ وہ حق کے ساتھ ہوتے ہیں اور خداوند تعالیٰ ان کے ذہن میں ادراک پیدا کر دیتے ہیں کہ وہ خلاف حق چلتے ہی نہیں۔ غرض ان کو مرتبہ محبوبیت کا عطا ہوتا ہے جس سے وہ خلاف نہیں کرتے یہ وجہ ہوتی ہے صاحب حال کی ترقی واستقامت کی۔

قرب ورضا کا طریقہ

پس علم وعمل وحال کا جمع کرنا یہ طریقہ ہے قرب ورضا کا جو کہ بہت بڑی دولت ہے۔ کیونکہ دولت راحت قلب ہے تو اس سے بڑھ کر اور کیا راحت ہوگی کہ اس کا محبوب حقیقی اس سے راضی اور قریب ہو یہ راحت کسی کو بھی نصیب نہیں بلکہ اس دولت میں تو اگر کچھ محنت بھی ہوتی وہ اس پر بھی راضی ہوتے۔

چنانچہ کبھی ایسی حالت ابتلاءً گو پیش آتی ہے تو قانع ہوتا ہے اس وقت ان کی یہ حالت ہوتی ہے ؎

دما دم شراب الم درکشند وگر تلخ بیند دم درکشند (۱)

لوگ جس کو کلفت سمجھتے ہیں وہ اس کو بھی راحت سمجھتا ہے۔

(۱) ''لحہ بہ لحہ شراب الم کھینچتے ہیں اگرچہ دوسرے لوگ اُسے دیکھ کر ہاتھ سمیٹ لیتے ہیں''۔

مجنوں کا حال

مجنوں کو اس کے اقارب خانہ کعبہ میں لے گئے اور کہا کہ کہہ ((اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنِیْ مِنْ لَیْلٰی وَحُبِّہٖ)) تو وہ کہتا ہے ((اَللّٰھُمَّ زِدْ فِیْ حُبِّ لَیْلٰی)) اور یہ شعر پڑھا ؎

اِلٰھِیْ تُبْتُ مِنْ کُلِّ الْمَعَاصِیْ اِلَیْکَ فَقَدْ تَکَثَّرْتُ الذُّنُوْبَ
فَاَمَّا مَنْ ھَوٰی لَیْلٰی وَتَرکی زِیَارَتَھَا فَاِنِّیْ لَا اَتُوْبُ (۱)

غور کرو کہ ایک عورت کی محبت میں یہ حالت تھی اب مولانا کا قول سنو فرماتے ہیں ؎

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود گوئی گشتن بہر او اولےٰ بود (۲)

یعنی کیا خدا تعالیٰ کی محبت لیلیٰ کی محبت سے بھی کم ہوگئی ہرگز نہیں تو اب غور کیجئے کہ وہ کیسی لذّت کی چیز ہوگی۔ پس معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کا قرب بڑی دولت ہے۔

دنیا دار مصیبت میں ہیں

اور یہیں سے یہ بھی معلوم ہوگیا ہوگا کہ جو لوگ خدائے تعالیٰ کو چھوڑ بیٹھے ہیں وہ بڑی مصیبت میں ہیں گو ان کے پاس اموال واولاد بھی ہو اسی کو خدا تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اِنَّمَا یُرِیْدُاللّٰہُ لِیُعَذِّبَھُمْ بِھَا فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَتَزْھَقَ اَنْفُسُھُمْ وَھُمْ کٰفِرُوْنَ﴾ حقیقت میں اگر غور کر کے دیکھا جاوے تو معلوم ہوگا کہ جنہوں

(۱) ''الٰہی میں بہت گناہگار ہوں آپ سے میں ہر گناہ سے توبہ کرتا ہوں لیکن لیلیٰ کی محبت اس کی زیارت سے توبہ نہیں کرتا ہوں'' (۲) ''خدا کا عشق لیلےٰ سے کیسے کم ہوسکتا ہے وہ اولیٰ ہی رہے گا''۔

نے دنیا کو قبلہ و کعبہ بنا رکھا ہے وہ کس قدر مصیبت میں ہیں۔ عیش کے ذرائع سوچتے اور جمع کرتے ساری عمر گذر گئی اور کھانے پینے کو وہی چار چپاتیاں اور تین کپڑے ہی ملے جو کہ سب کو ملتے ہیں اور پھر لطف یہ کہ اس قدر انہماک کے بعد بھی ذرائع عیش نصیب نہ ہوئے اور غضب یہ کہ آج تک بھی اس کا حس نہیں ہوا اب تک بھی وہی ترقی کی تعلیم دیجاتی ہے اور اگر پورا عیش حاصل ہو بھی گیا تو یہ کیا عیش ہے کہ خوب کھالیا اگر یہ ہی عیش ہے تو بیل کو سب سے زیادہ عیش میسر ہے کہ اُس کو نہ گزشتہ کل کی یاد نہ آئندہ کل کی سوچ اُس کے برابر سلطان بھی عیش میں نہیں۔

عیش کی حقیقت

غرض محض بے فکری سے کھالینا کوئی عیش نہیں۔ عیش یہ ہے کہ نہ کہ ماضی کی فکر ہو نہ مستقبل کا اندیشہ ہو۔ بس وہ ابن الحال ہے کہ جو اس پر گذرتا ہے سب کو خوشی سے برداشت کرتا ہے اور اس کو نعمت سمجھتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں۔

صوفی ابن الحال باشد اے رفیق

یعنی جو حالت اس پر طاری ہو وہ اسی میں راضی ہے اور یہ کہتا ہے کہ۔

ہر چہ زدوست میرسد نیکو ست

اگر طیش بھی ہو تو عیش ہی ہے اور اس پر کچھ تعجب نہ کیجئے دیکھئے اگر ایک مدت کے بعد محبوب سے ملاقات ہو کہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ جائے نہ بات کی ہمت ہو نہ سلام کی جرأت ہو اور اسی حالت میں محبوب اس پر رحم کرے کہ اس کو سینہ سے لگالے اور خوب دبادے کہ اس کا دم نکلنے لگے اور اسی حالت میں اس کا کوئی رقیب آجاوے اُس کو دیکھ کر محبوب دریافت کرے کہ اگر تم کو تکلیف ہو رہی ہو تو میں

تم کو چھوڑ کر اس کو دبانے لگوں تو اس وقت کیا کہے گا کیا یہ تکلیف اس کو محسوس ہوگی اور کیا اس کی وجہ سے وہ محبوب کے علیحدہ ہونے پر راضی ہوگا کبھی نہیں بلکہ وہ یہ کہے گا کہ ؎

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی (۱)

اور یہ کہے گا کہ ؎

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

تو جب آدمی کی محبت میں یہ حالت ہے تو خدا تعالیٰ کی محبت میں کیا عالم ہوگا بقول سعدی رحمۃ اللہ علیہ ؎

عجب داری از سالکان طریق کہ باشند دربحر معنے غریق (۲)

اور ان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ ؎

ناخوش تو خوش بود برجان من دل فدائے یار دل رنجانِ من (۳)

اور وہ یوں کہتے ہیں ؎

بس زبونِ وسوسہ باشی دلا گر طرب باز دانی از بلا

یعنی اگر طرب اور بلا میں فرق کیا تو تم طالب خدا نہیں بلکہ طالب مخلوق ہو ایک مخلوق کو چھوڑ کر دوسری مخلوق کو لیا ہے جس نے اس کی حقیقت سمجھ لی اس کے برابر کوئی دولت مند نہیں تو معلوم ہوا کہ یہ بہت بڑی دولت ہے۔ جو اس سے محروم

(۱) ''نصیب دشمن یہ نہ ہو کہ آپ کی تیغ سے ہلاک ہو بلکہ ہم تو خنجر آزمائی کے لئے کافی ہیں'' (۲) ''سالکین کی عجب راہ ہے کہ وہ ہمیشہ معانی کے سمندر میں غرق رہتے ہیں'' (۳) ''آپ کی خوشی ناخوشی میری جان پر ہے دل تو محبوب ہی کا ہے''۔

ہو وہ محروم بھی ہے مرحوم بھی ہے مرجوم بھی ہے (۱)

محروم ہونا تو ظاہر ہی ہے اور مرحوم اس لئے کہ اہل اللہ کو ایسے شخص پر رحم آتا ہے۔ ہاں اگر باغی ہو تو اس پر ان کو رحم نہیں آتا۔ اس لئے کہ خدا کو اس پر رحم نہیں آتا۔

گناہگار قابل رحم ہے

لیکن اگر باغی نہ ہو بلکہ گنہگار ہو تو ان حضرات کو اس پر بہت رحم آتا ہے اور وہ اُس کو ذلیل نہیں سمجھتے کیوں کہ جانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی یہ شان ہے۔

گنہ آمر زرندانِ قدح خوار بطاعت گیر پیران ریا کار (۲)

کسی نے خوب کہا ہے ؎

غافل مرد کہ مرکب مردان مرد راہ درسنگ لاخ باد یہ پہابریدہ اند

نومید ہم مباش کہ رندانِ بادہ نوش تا گہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند (۳)

دوسرے کہتے ہیں ؎

گنہ آئینہ عفو ورحمت است اے شیخ مبین بچشم حقارت گناہگاراں را (۴)

یعنی حقیر نہ سمجھو البتہ قابل رحم سمجھو اور وہ برتاؤ کرو جیسے کہ تمہارا بیٹا بیمار ہو جائے اور اس کے ساتھ تم برتاؤ کرتے ہو۔ دیکھو اگر وہ تم پر ہگ بھی دے تو تم کو

(۱) اس کو سزاء بھی ملے گی (۲) ''رند شراب خور کے گناہوں کو بخشتا ہے اور ریاکاروں کی اطاعت کو پکڑتا ہے'' (۳) ''غافل مت ہو کہ مرد خدا پتھر بھی زمینوں جنگلوں کو طے کرتا ہے ہم سے ناامید مت ہو کہ رند شراب نوش اچانک نظر میں منزل تک پہنچ جاتے ہیں'' (۴) ''گناہ عفو ورحمت کا آئینہ ہے گناہگاروں کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھو''۔

غصہ نہیں آتا بلکہ رحم آتا ہے تو مسلمان وہ ہے کہ مسلمان کی حالت پر آنسو بہاوے نہ یہ کہ ان کو ذلیل حقیر سمجھے اور برا بھلا کہے:

تایار کراخواہد و میلش بہ کہ باشد(۱)

اور اگر اصلاح کی امید نہ رہے تو خدا کے سپرد کرو اور دعا کرو یہ ہے اسلامی شان۔

گناہگاروں کے ساتھ برتاؤ

آج کل ذرا سی بات پر بدعت اور وہابیت کا الزام لگادیا جاتا ہے۔ صاحبو! کس کی بدعت کس کی وہابیت۔ حضور ﷺ کے احکام میں بعض مختلف فیہ بھی ہیں کوئی کسی طرف گیا کوئی کسی طرف تو اس کے لئے لڑتے کیوں ہو اور اگر کوئی مسئلہ متعین الصواب(۲) ہے اور اس میں کسی کو لغزش ہے تو اس کے غیر کے لئے دعا کرو۔ خوب کہا ہے ؎

گرایں مدعی دوست بشناختے بہ پیکار دشمن نہ پرداختے (۳)

دیکھو ایک مجلس میں محبوب بھی ہو اور اُس نے اجازت دیدی ہو کہ میری طرف دیکھو اور یہ دیکھنے میں مشغول ہو کہ اتنے میں ایک شخص آکر انگلی کو چھودے اب بتاؤ کہ وہ کیا کرے گا۔ کیا محبوب کی طرف سے نظر ہٹا کر اس شخص کو دیکھنے لگے گا یا اس سے الجھنا شروع کردے گا۔ ہرگز نہیں وہ کبھی دوسری طرف التفات بھی نہ کرے گا اور اگر التفات کرے گا تو محبوب سے حرمان ہوگا اور یہ توجہ واستغراق اُسی وقت ہوگا کہ دوست کو پہچانے۔ اسی کو کہتے ہیں ؎

(۱)'' جب تک یار کسی کو چاہتا ہے اس کا رجحان اسی طرف ہوتا ہے'' (۲)اس کا درست ہونا یقینی ہے (۳)''اگر یہ مدعی دوست کو پہچان لیتے تو دشمن کی تلوار سے مشغول نہ ہوتے''۔

اگر ایں مدعی دوست بشناختے به پیکار دشمن نہ پرداختے

اگر ادھر متوجہ ہوتا تو یہ نوبت کیوں آتی۔ حضرت حاجی صاحب نوراللہ مرقدہٗ فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم سے کوئی مناظرہ کرے تو تم کبھی مناظرہ نہ کرو اس سے دل سیاہ ہوتا ہے۔

امر بالمعروف کا طریقہ

میں عوام میں سے جس کو بیعت کرتا ہوں اس سے یہ بھی کہتا ہوں کہ بدعت کو چھوڑ و لیکن بدعتی لوگوں سے مت لڑو خدا تعالیٰ تم سے یہ نہ پوچھے گا کہ ان لوگوں نے ایسا کیوں کیا اور قرآن مجید سے بھی اس مشرب کی تائید ہوتی ہے فرماتے ہیں: ﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ الخ﴾ (۱) لفظ منکم سے معلوم ہوتا ہے کہ سب اس کام کے لائق نہیں ہیں۔ اور یہ تجربہ ہے کہ جو لوگ اس کے اہل نہیں سمجھے جاتے اُن کا کہنا لوگوں کو ناگوار گزرتا ہے اور جو لوگ اہل ہیں ان کا کہنا چنداں گراں نہیں گزرتا۔ نیز علماء جو کچھ کہتے ہیں تہذیب سے اور شائستگی سے کہتے ہیں غرض یہ طعن و تشنیع کا شیوہ مناسب نہیں ہے اپنے کام میں لگے رہو اگر کوئی برا ہو تم اس پر رحم کرو اور اس کے لئے دعا کرو۔

دنیا دار قابل رحم ہیں

چنانچہ اہل اللہ دنیا داروں پر رحم کرتے ہیں جیسے بیمار کو دیکھ کر اُس پر رحم آیا کرتا ہے بلکہ وہ مال داروں کو دیکھ کر بھی رحم کرتے ہیں کہ بیچارے حمال ہیں (۲) لدے ہوئے ہیں ہانپے جارہے ہیں۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ حالت تھی کہ جب کسی

(۱) ''تم میں ایک جماعت بھلائی کی طرف بلاتی ہے'' (۲) بوجھ اٹھانے والے۔

امیر کو دیکھتے تو کہتے ((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَفَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ وَفَضَّلَنِیْ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا))

یہ دعا حدیث میں ہے۔ حضور ﷺ نے تعلیم فرمایا ہے کہ جب کسی بیمار کو دیکھو تو یہ دعا پڑھو۔ تو دنیا کی محبت سے زیادہ کونسی بیماری ہوگی کہ قلب کی بیماری ہے اور قلب کی بیماری سب سے بدتر ہے جیسا ارشاد ہے کہ ﴿فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا﴾ ''ان کے دلوں میں بیماری ہے بڑھایا اللہ نے ان کی بیماری کو''

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ اس کو سمجھے اور انہوں نے مرض کی حقیقت معلوم کی غرض دنیادار بیمار ہیں اور اس بیماری سے بچا رہنا خدا کی نعمت ہے جو قابل شکر ہے۔

متکبر کو جواب

اکبر پور کا واقعہ ہے کہ ایک خاں صاحب نے ایک جولاھے سے براہ تمسخر پوچھا کہ میانجی کیا کر رہے ہو کہنے لگا خدا کا شکر کر رہا ہوں کہ مجھ کو خان صاحب نہ بنایا کسی غریب پر ظلم کرتا اور دوزخ میں جاتا۔ خاں صاحب چپ ہی تو رہ گئے۔ حقیقت میں خدا کی یہ بھی بڑی رحمت ہے کہ گناہ کا سامان ہی نہ دے ؎

آنکس کہ تونگرت نمی گرداند او مصلحت تو از تو بہتر داند(۱)

اب آپ کو معلوم ہوگیا کہ واقعی یہ لوگ رحم کے قابل ہیں کہ ایک بڑی مصیبت میں پھنسے ہیں مگر ان کو خبر بھی نہیں ان کی وہ حالت ہے جیسے ایک سرحدی وحشی ہندوستان میں آیا تھا کہ کسی حلوائی کی دوکان پر حلوا رکھا دیکھا قیمت پاس تھی نہیں، آپ اس میں سے بہت سا اٹھا کر کھا گئے حلوائی نے حاکم شہر کو اطلاع دی حاکم

(۱) ''ہر وہ شخص جو تیری مالداری کو نہیں سمجھتا ہے وہ تیری مصلحت تجھ سے بہتر جانتا ہے''۔

نے یہ سزا مقرر کی کہ ان کا منہ کالا کر کے جوتیوں کا ہار گلے میں ڈالا جائے اور گدھے پر سوار کر کے تمام شہر میں تشہیر کیا جاوے اور بہت سے لڑکے ساتھ کر دیئے جائیں کہ وہ ڈھول بجاتے پیچھے پیچھے چلیں چنانچہ ایسا کیا گیا۔ جب یہ حلوا خور(۱) صاحب اپنے گھر واپس گئے تو وہاں کے لوگوں نے پوچھا کہ آغا ہندوستان چگونہ ملک است (۲) کہنے لگے ہندوستان خوب ملک ست حلوا خوردن مفت ست فوج طفلاں مفت ست سواری خر مفت ست ڈم ڈم مفت ست ہندوستان خوب ملک ست (۳)۔ بس دنیا داروں کا خوب ملک ست (۴) کہنا ایسا ہی ہے جیسے اُس آغا نے ہندوستان کو خوب ملک ست کہا اور دنیا کے حشم و خدم پر ناز کرنا ایسا ہی ہے جیسا اس نے سواری خر اور فوج طفلاں پر ناز کیا تھا۔

حاکم کون بنے

صاحبو! یہ بے حسی ہے واللہ اگر حس صحیح ہو تو یہ سب عذاب نظر آنے لگے حکومت دنیوی کی نسبت حدیث شریف میں ہے کہ جس کی دس آدمیوں پر بھی حکومت ہوگی قیامت میں اسکو مشکیں کس کر لایا جاوے گا اگرچہ اس کے بعد چھوٹ ہی جاوے آج اس کی درخواست کی جاتی ہے، اس کے لئے روپیہ خرچ کیا جاتا ہے اور اگر کوئی کچھ کہتا ہے تو یہ جواب ملتا ہے کہ ہم میں اگر صاحب حکومت نہ ہوں گے تو قوم تباہ ہو جائے گی۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ حاکم ہوں۔ لیکن کون شخص ہو اس کا فیصلہ خود حدیث میں موجود ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں: ((اَلْقَضَاۃُ ثَلَاثَۃٌ اِثْنَانِ فِی النَّارِ وَوَاحِدٌ فِی الْجَنَّۃِ)) اور اس واحد کو عالم باعمل بتلایا ہے تو حکومت

(۱) حلوا کھانے والے صاحب (۲) ہندوستان کیسا ملک ہے (۳) ہندوستان بہترین ملک ہے حلوہ مفت کھانے کو ملتا ہے بچوں کی فوج مفت ملتی ہے گدھے کی سواری مفت ملتی ہے ڈھول ڈھپکا مفت ہے ہندوستان بہترین ملک ہے (۴) ''بہتر بن ملک ہے'' کہنا۔

ضروری ہے مگر حکومت کے لئے متبحر عالم ہونا چاہیئے ورنہ بدوں علم کے بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور امتحان علم کا یہ ہے کہ ان کے سامنے جتنے واقعات و مقدمات پیش ہوں ان میں اپنی رائے لکھیں اور اس کے بعد اہل علم سے ان کا حکم دریافت کریں پھر دونوں میں موازنہ کریں واللہ زمین آسمان کا فرق نکلے گا۔

حاکم بنانے کی شرط

دوسری اس میں ایک اور شرط ہے کہ حکومت کی خود درخواست نہ کرے کیونکہ جو درخواست کرے گا وہ خودغرض ہوگا اور نفسانیت سے کام کرے گا اس کو لوگوں کی مصلحت پر ہرگز نظر نہ ہوگی بلکہ اپنی مصلحت پر نظر ہوگی اور اس سے جتنی خرابیاں پیدا ہوں کم ہیں۔

اکابر کا حکومتی عہدوں سے احتراز

حضرت عثمانؓ نے ابن عمرؓ سے قضا کا عہدہ قبول کرنے کے لئے کہا انہوں نے انکار کردیا حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ اگر تم منظور نہیں کرتے تو اپنے انکار کی کسی کو خبر نہ کرنا کیونکہ ایسا نہ ہو سب ہی انکار کردیں۔

اس واقعہ سے آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم حکومت کو کیسا سمجھتے تھے اور حقیقت میں ایسا ہی شخص کام کرسکے گا۔

حقیقی راحت کس کو حاصل ہے

اب آپ کی سمجھ میں آگیا ہوگا کہ دنیا کے لوگ حقیقت میں بڑی تکلیف اور عذاب میں مبتلا ہیں اور دولت حقیقی دوسری چیز ہے۔ تو خدا تعالیٰ اس آیت میں اس دولت کو بتلاتے ہیں اور اس کا طریقہ ارشاد فرماتے ہیں اور مروج طریقہ کو رد

کرتے ہیں فرماتے ہیں: ''تمہارے مال اور اولاد اس قابل نہیں کہ تم کو ہم سے قریب کریں البتہ ایمان اور عمل صالح اس کا ذریعہ ہے''۔

جیسا کہ بیان ہوا اور اس میں آج کل کے اہل مذاق جدید کا بھی جواب ہوگیا یعنی بعضے لوگ کہتے ہیں کہ ترقی دنیا سے ہمارا مقصود ترقی دین ہے تو خدا تعالیٰ نے بتلادیا کہ ترقی دین کی یہ صورت نہیں کہ بہت سا مال سمیٹ لو۔ ہم اس آیت کا ترجمہ کئے دیتے ہیں اگر تین پانچ کرنا(۱) ہو تو خدا تعالیٰ سے کرو اور پوچھو کہ یہ کیوں فرمایا۔

علماء کا کام

آج کل یہ بھی ایک عجیب عادت ہوگئی ہے کہ لوگ ہر بات کا ذمہ دار مولویوں کو سمجھتے ہیں۔ صاحبو! مولوی تو صرف منادی کرنے والے ہیں دیکھو اگر کلکٹر کسی سے منادی کرادے تو اس منادی کی حکمت منادی کرنے والے سے نہیں پوچھی جاتی کیونکہ جانتے ہیں کہ یہ اس کا ذمہ دار نہیں پھر کیا وجہ کہ مولویوں کو ذمہ دار سمجھا جاتا ہے۔ اگر یہ کچھ بتلادیں تو ان کا احسان ہے باقی ان کے ذمہ کچھ نہیں۔

عقائد کی خرابی

غرض مال اور اولاد ذریعہ قرب نہیں بلکہ ایمان اور اعمال صالح ذریعہ قرب ہیں اور یہ دونوں طویل الذیل(۲) ہیں مگر میں ان کے متعلق کچھ مختصر سا بیان کرتا ہوں۔ سو بعض لوگ تو ہم میں سے ایسے ہیں کہ وہ ایمان ہی کو بگاڑ بیٹھے ہیں اگرچہ ان کے عمل کسی درجہ میں اچھے ہیں لیکن عقیدہ بالکل ہی تباہ ہے۔

بہت سے لوگ پیروں سے اس قدر علاقہ رکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ سے بھی

(۱) اگر کوئی اعتراض کرنا ہو تو اس پر کرو (۲) اس کی تفصیلات بہت ہیں۔

اتنا علاقہ نہیں رکھتے وہ ان کو ایسا سمجھتے ہیں کہ جیسا ایک سرمنہ چڑھا سرشتہ دار ہو کہ جو کچھ کہہ دے گا اسی پر دستخط ہو جاویں گے اور ان کے نام پر کہیں ہنسلی چڑھاتے ہیں کہیں منتیں مانتے ہیں بعض نے تعزیوں کو اس قدر ضروری سمجھ رکھا ہے کہ ان کا سارا دین ایمان وہی ہیں۔

ایک شخص کہنے لگے کہ جب سے میں نے گیارھویں شریف چھوڑی ہے اس وقت سے مجھ پر آفتیں آنی شروع ہوگئیں۔ استغفراللہ میرا یہ مطلب اس سے نہیں ہے کہ بزرگوں کو ایصال ثواب نہ کرو مطلب یہ ہے کہ اپنا عقیدہ خراب نہ کرو بلکہ اس نیت سے ایصال ثواب کرو کہ انہوں نے ہمارے ساتھ دینی احسان کیا تھا ہم اُن کو ثواب پہنچائیں۔ باقی یہ بات کہ ان سے ہمیں مال یا اولاد ملے گی یہ کچھ نہ ہونا چاہئے اور غور کر کے دیکھو کہ اس نیت سے ایصال ثواب کرنا کیسی بے ادبی ہے دیکھو اگر تمہارے پاس کوئی شخص مٹھائی لے کر آوے اور پیش کرنے کے بعد کہے کہ جناب آپ سے میرا فلاں کام ہے تو تمہارے دل پر کیا اثر ہوگا۔ ظاہر ہے کہ جو کچھ خوشی اس کے مٹھائی لانے سے تم کو ہوئی ہوگی وہ سب خاک میں مل جاویگی اور سمجھو گے کہ یہ سب خوشامد اسی غرض کے لئے تھی۔ دوسرے جب وہ حضرات اپنی زندگی میں اس قسم کی چیزوں سے دلچسپی نہ رکھتے تھے تو اب مرنے کے بعد کیوں ان کو دلچسپی ہوگی تو ایمان کی درستی جب ہوگی کہ اس قسم کی ساری باتوں سے توبہ کرو۔

عملی کوتاہی

دوسری چیز ہے عمل صالح اس کے متعلق یہ حالت ہے کہ بہت سے لوگ اس کو ضروری ہی نہیں سمجھتے بلکہ عقائد کی درستی کو کافی سمجھتے ہیں حالانکہ جب عمل نہیں تو نری عقائد کی درستی کیا کرے گی۔ اور جو لوگ عمل کو ضروری بھی سمجھتے ہیں تو صرف

دیانات روزہ نماز وغیرہ کو، باقی معاملات بالکل ہی خراب ہیں۔ میں نے بہت سے متقی ایسے دیکھے کہ ان کے معاملات نہایت گندر گند ہیں(۱)۔ خدا جانے کیسا تقویٰ ہے کہ وہ کبھی ٹوٹتا ہی نہیں گویا بی بی تمیزہ کا وضو ہے(۲) کہ بس ایک دفعہ کر کے عمر بھر کو چھٹی ہوگئی۔

اخلاقی کوتاہی

بعض لوگ ایسے ہیں کہ ان کے معاملات بھی اچھے ہیں لیکن اخلاق نہایت خراب ہیں نہ خدا کی محبت نہ خوف نہ توکل نہ صبر وشکر نہ توحید بلکہ ان کے بجائے تکبر ریا عجب حسد کینہ وغیرہ سے پُر ہیں۔ یہ حال ہے کہ ؎

از بروں چوں گور کافر پُرحلل! واندروں قہر خدائے عزوجل

از بروں طعنہ زنی بربا یزید واز درونت ننگ میدارد یزید(۳)

حاصل تصوف

تو عمل صالحہ میں یہ اخلاق باطنی بھی آ گئے اور یہی ہے وہ چیز جس کو تصوف کہتے ہیں۔ اسی کی نسبت فرماتے ہیں: ﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ﴾(۴)

---

(۱) بہت زیادہ خراب ہیں (۲) ایک جاہل عورت تھی ایک بزرگ نے اس کو نماز کی تاکید کی وضو کرنا سکھائی وہ اور نماز پڑھنے کا کہہ کر سفر پر چلے گئے جب سفر سے واپس آئے تو اس سے پوچھا بی تمیزہ پڑھتی ہو کہنے لگی جی پڑھتی ہوں پوچھا کہ وضو کیسے کرتی ہو کہنے لگی کہ وہ تو آپ کرا گئے تھے۔ تو جیسے ایک دفعہ وضو کر کے وہ ہمیشہ کے لئے کافی سمجھ رہی تھی یہی حال ان کا ہے (۳) ''اوپر سے تو کافر کی قبر کی طرح مزین اور اندر اللہ کا عذاب ہے۔ اوپر سے بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ پر طعنہ کرتے ہو اور اندر یزید کی طرح ہے'' (۴) خبردار ہو کہ اولیاء اللہ کو خوف وملال نہیں اور وہ لوگ جو ایماندار اور متقی ہیں۔

اگر کسی کو شبہ ہو کہ یہ تصوف نہیں بلکہ غیر معمولی چیز ہے۔ تو سمجھو کہ اہل فن کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی تصوف ہے۔ حواشی قشریہ میں ہے۔

((اَلتَّصَوُّفُ تَعْمِيْرُ الظَّاهِرِ وَالْبَاطِنْ))(۱)

اور باطن کے متعلق دو چیزیں ہیں ایک عقیدہ اور دوسرے اخلاق ان سب کی اصلاح بھی قرآن میں ہے مگر صوفیہ نے اس کو تصوف سے تعبیر کیا ہے۔ قرآن نے ایمان اور عمل صالح سے تعبیر کیا ہے تو تصوف کی حقیقت یہ ہے۔ ثمرہ اس کا یہ ہے ﴿تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰى﴾ (۲)

غلط فہمیوں کا ازالہ

الحمدللہ اس وقت دو غلطیاں رفع ہوئیں ایک تو یہ کہ لوگ تصوف کی حقیقت کو غلط سمجھے ہوئے تھے۔ یعنی تصوف میں تین چیزیں ہیں ایک تو ایمان اور عمل صالح کہ یہ عین تصوف ہیں۔ ایک وہ کہ ان کو تصوف سے کچھ بھی علاقہ نہیں اور ان کی دو قسمیں ہیں ایک مباحات (۳) دوسرے ممنوعات (۴)۔ جیسے یہ عقیدہ کہ طریقت میں سب کچھ مباح ہو جاتا ہے (۵) یا یہ کہ میرے پیر کو سب کچھ خبر ہے جیسے چند روز ہوئے ایک پیر صاحب نے کہا کہ میرے سپرد پولیس کا کام ہے اور ہر جمعرات کو سب اولیاء پیران کلیر میں جمع ہوتے ہیں اور اشرف علی بھی وہاں آتا ہے وہ سمجھتے تھے میں سن کر خوش ہونگا اور ان کی تعریف کروں گا مگر مجھ پر یہ اثر ہوا کہ میں ان کو یقینی کاذب سمجھنے لگا۔ تو گویا خدائی کو اپنا سمجھتے ہیں۔ اسی طرح مردوں کے اختیار میں کچھ سمجھنا بھی ایسا ہی ہے یہ تو وہ چیزیں ہیں کہ معاصی لعینہٖ (۶) ہیں۔

(۱) تصوف ظاہر و باطن کے درست کرنے کا نام ہے (۲) سورۂ سباء: (۳) جائز کام (۴) جن کاموں سے منع کیا گیا ہے (۵) سب جائز ہو جاتا ہے (۶) جو اپنی ذات میں گناہ ہیں۔

دوسری وہ چیزیں کہ وہ معصیت لغیرہٖ (۱) ہیں جیسے سماع (۲) کا سننا کہ اگر کسی سے مجبوری کی وجہ سے سن لینا منقول ہے تو وہ حجت نہیں اور بلا عذر ناجائز ہے اور اب تو اس کی حالت نہایت گند در گند ہوگئی ہے اور واقع میں یہ سب اعمال فقیہہ ہیں ان کو تصوف سے کچھ علاقہ نہیں۔ اور بعض وہ اعمال ہیں کہ ان کو تصوف سے علاقہ تو ہے مگر وہ عین تصوف نہیں جیسے احوال کہ کثرت ذکر سے کبھی مرتب ہوجاتے ہیں۔

صوفی کی پہچان

تو مقصود کے متعلق چار چیزیں ہوئیں ایمان اور اعمال اور اخلاق اور حالات کہ ان کو تصوف سے تعلق ہے بعض کو عینیت کا اور بعض کو ترتب ومناسبت کا جیسے احوال کہ اگر ہوں تو اچھا ہے نہ ہوں تو کچھ مضائقہ نہیں اور یہیں سے شیخ کامل کی پہچان بھی معلوم ہوگئی ہوگی کہ اس کے اندر ایک تو ایمان خالص ہونے کی ضرورت ہے دوسرے اعمال صالحہ کی۔ تیسرے اخلاق کی کہ اس میں صبر وشکر ہو دنیا سے اس کو نفرت ہو کہ اس کی صحبت سے بھی دنیا سے جی ہٹ جاوے اور ایک بڑی پہچان یہ ہے کہ اس کی طرف عوام کم متوجہ ہوں اور اہل علم وفہم زیادہ متوجہ ہوں۔

ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جس درویش پر اہل دنیا زیادہ ہجوم کریں معلوم کرلینا چاہیئے کہ یہ خود بھی دنیا دار ہے۔ کیونکہ الجنس یمیل الی الجنس (۳)۔ اور جس کی طرف صلحاء زیادہ متوجہ ہوں وہ ہادی ہونے کے لائق ہے (۴)۔ جب ایسا شخص مل جاوے تو اس کی صحبت اختیار کرو اور

(۱) کسی منکر کے ملنے کی وجہ سے گناہ ہیں (۲) قوالی (۳) جنس ہمیشہ اپنی جنس ہی کی طرف مائل ہوتی ہے (۴) راہنما بنانے کے قابل ہے۔

جس کو یہ سب حاصل ہوجائیں ان کے لئے خدا تعالیٰ آگے فرماتے ہیں کہ:

﴿فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ﴾(۱)

یعنی ان کو اس سے امن ہوگا کہ ان کو بعد ہو۔ چونکہ آجکل جاہل صوفی گمراہ کرتے پھرتے ہیں اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ تصوف کی حقیقت اور کاملین کی علامات کو بیان کردوں تاکہ لوگ ان کے پھندے سے بچ سکیں۔

اب خدا تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ توفیق نیک عطا فرمادیں۔ آمین

ناظرین وعظ کی خدمت میں جامع وعظ (وناشر وعظ) کی عاجزانہ التماس ہے کہ بارگاہ رحمت میں میرے لئے حسن خاتمہ اور عفو وعافیت کی دُعا فرمادیں۔(۲)

تمت

---

(۱) سورۃ سباء: ۳۷ (۲) الحمدللہ آج ۲۸ محرم الحرام ۱۴۳۴ھ اس وعظ کے حواشی لکھنے سے فراغت ہوئی اللہ تعالیٰ قبول فرمائے آمین۔

خلیل احمد تھانوی